چوہدری مظفّر حسین

(۱۹ ستمبر ۱۹۲۹ء ـــــ ۲۲ جولائی ۲۰۰۳ء)

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالقیوم' فیصل آباد

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مُدّتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

☆

میں بعدِ مرگ بھی بزمِ وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر مری محفل' مِرا مزار نہ دیکھ!

ایک مسلمان اور قرآن پاک کے طالب علم کی حیثیت سے میرا اس بات پر کامل یقین ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ پھر ہر انسان کی اجل یعنی دمِ آخرت کا ایک وقت بھی مقرر ہے۔ موت کا یہ حادثہ اُس وقتِ مقررہ سے نہ ہی تو ایک ساعت پہلے وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس میں ایک لمحہ کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک: ۱'۲)

''نہایت ہی بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا' تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل والا ہے''۔

خالقِ کائنات نے تخلیقِ بنی آدم کا مقصد تو بیان کر دیا لیکن معاملہ ہر انسان پر چھوڑ دیا۔ اُسے افکار کی آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا۔ اسے سوچنے اور عمل پیرا ہونے کا شعور بخشا کہ اب وہ جو چاہے کرے' جو راستہ وہ اپنے لئے اختیار کرنا چاہے اسے چن لے۔

دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اللہ کے عطا کردہ علوم کی روشنی میں کچھ لوگ اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور کچھ اس دنیا کی چند روزہ زندگی میں جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ زیرِ تحریر شخصیت چوہدری مظفر حسین ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے عالمِ شباب میں ہی رشد و ہدایت کا راستہ دکھا دیا تھا اور پھر خالقِ کائنات نے انہیں استقامت بھی بخشی کہ وہ انبیاء‘ صدیقین‘ شہداء اور صالحین کی اتباع میں ہی زندگی گزار دیں۔ یہ اللہ کا مظفر صاحب پر بہت بڑا انعام تھا۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہی زندگی کا سفر طے کیا۔

راقم الحروف کی رائے میں شرافت‘ ذہانت‘ متانت اور دیانت جیسے سب اوصاف کو اکٹھا کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک آدم زاد کی روح میں جب پھونک دیا تو چوہدری مظفر حسین کا وجود ظہور میں آ گیا۔ چوہدری صاحب کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر شاید قلم کے احاطہ سے تو باہر ہو‘ لیکن مجھے یہ کہنے میں مبالغہ آرائی کا شائبہ تک نہیں گزرتا کہ چوہدری صاحب نے ساری زندگی اپنے حلقۂ احباب کے دلوں پر حکومت کی۔ وہ جگر مراد آبادی کے اس شعر کی عملی تفسیر تھے!

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ!

انہیں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ اپنے خیالات کی ترجمانی اپنی تحریروں میں لانے کی پوری قدرت رکھتے تھے۔ ان کا حلقۂ احباب بھی بہت وسیع رہا‘ بلکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ انہیں روپے پیسے سے کبھی محبت نہ رہی‘ وہ ہر حال میں قانع تھے۔ ان کی زندگی نہایت سادہ اور موجودہ دَور کے تکلفات سے مبرّا رہی۔ نمود و نمائش کا نام تک بھی ان کی زندگی میں نہ تھا۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کا دل کی گہرائیوں سے مطالعہ کیا۔ علماءِ کرام کی تفاسیر بھی دیکھیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ‘ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر مشاہیر اسلام کی کتب سے بھی استفادہ کیا۔ وہ حق کے متلاشی رہے۔

''ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں'' نے آخر انہیں مفکر پاکستان علامہ اقبال کے کلام سے متعارف کرا دیا۔ انہیں اردو کے علاوہ فارسی پر بھی عبور حاصل تھا۔ انہوں نے کلامِ اقبال کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا اور پھر اُسی کے ہو کر رہ گئے۔ ان کے خیالات اور فکر کے مطابق موجودہ دَور میں مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ افکارِ اقبال پر غور و فکر کریں اور انہیں اپنی عملی زندگی میں اپنالیں۔

مظفر صاحب اس بات کے سختی سے قائل تھے کہ علامہ اقبال نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ قرآنِ پاک کی ترجمانی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق علامہ کے بیان کردہ عشق کے فلسفہ پر عمل پیرا ہو کر ہی مؤمن کا مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بقول اقبال!

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

اور

قلب و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات

مظفر صاحب نے اقبال شناسی پر اپنے خیالات کا جو اظہار کیا وہ دوسرے اقبال شناسوں سے کافی حد تک مختلف تھا۔ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ مظفر صاحب کے اس بیان کردہ اقبال شناسی کے فلسفہ کو کس حد تک قبول کیا گیا۔

انہیں اقبال سے عشق تھا۔ وہ اقبال کو بیسویں صدی کا عظیم ترین انسان اور مفکر اسلام سمجھتے تھے۔ انہوں نے اقبال پر تحقیقاتی مقالے بھی لکھے' اقبال کے افکار کو کتب کی شکل بھی دی۔ انہیں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے بھی عشق کی حد تک محبت رہی۔ بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ مولانا مودودی مظفر صاحب اور ان کے بھائیوں کی شادیوں میں شرکت فرماتے رہے۔ لیکن مظفر صاحب کے نزدیک فکر اقبال کا درجہ بہت بلند تھا۔ اور جب کبھی وہ علامہ اقبال اور سید مودودی کے تقابلی پہلو پر کچھ لکھتے تو اس میں انہیں فکر اقبال بہت زیادہ متاثر کرتی۔ اختر شیرانی کے الفاظ میں سید مودودی اور علامہ اقبال کے متعلق مظفر صاحب کی کیفیت کچھ یوں تھی:

عشق و آزادی بہارِ زیست کا سامان ہے
عشق میری جان آزادی مرا ایمان ہے
عشق پر کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے!

اور

''میری نگاہِ شوق بھی کچھ کم نہیں مگر
تیرا شباب پھر بھی تیرا شباب ہے''

وہ مولانا مودودی کے قدر دان لیکن اقبال پر دل و جان سے قربان تھے۔ وہ اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کی بقاء اور ترقی کو فکرِ اقبال کی روشنی میں دیکھنا اور عملی صورت میں لانا پسند کرتے تھے۔ ان کا تا دمِ زیست اقبال کے ایک شعر کے مصرع ''زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں!'' پر یقینِ کامل رہا۔

چوہدری مظفر حسین اس سے بھی آگے سوچتے' بلکہ مجھ سے متعدد بار اس بات کا اظہار فرماتے کہ مسلم قوم ''مِن حیثُ الامۃ'' اور پاکستانی قوم بحثیت ایک مسلم قوم کے جب تک علامہ اقبال کے بالِ جبرئیل میں مندرج مکالمہ ''پیر و مرید'' میں مریدِ ہندی کے ایک سوال پر پیر رومی کے جواب پر عمل پیرا نہیں ہوتی' پوری اُمت مسلمہ علامہ کے اس عشق سے محروم رہے گی جس عشق میں علامہ اس اُمت مسلمہ کی نجات سمجھتے تھے۔

علم و حکمت زائد از نانِ حلال
عشق و رقت آید از نانِ حلال!

چوہدری مظفر حسین ۱۹ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ضلع امرتسر (حال بھارت) کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈاکٹر نواب دین محکمہ امورِ حیوانات میں ملازم تھے' لیکن ساتھ ہی انہیں علم طِب پر بھی عبور حاصل تھا۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے پر خاندان لاہور آ گیا۔ مظفر صاحب کے تین بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ ان کے والد محترم نے ان سب کی اچھی تربیت کی۔ وہ ایک دین دار اور تہجد گزار انسان تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد طبیب کے طور پر رزقِ حلال کمانے لگے۔ مظفر صاحب نے انسانی اناٹومی اور

فزیالوجی کے مضامین کے ساتھ بی ایس سی کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۲ء میں محکمۂ زراعت کے انٹومالوجی سیکشن میں ملازمت اختیار کر لی۔ پھر دورانِ ملازمت بی ایس سی (زراعت) کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ جرنلزم میں ڈپلومہ حاصل کیا اور ایم اے اردو کا امتحان پاس کرلیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے ڈاکٹر عبداللہ مرحوم مظفر صاحب کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ انہوں نے بہت زور لگایا کہ مظفر صاحب اپنے مقالات کو جو انہوں نے اقبال پر لکھے تھے' کتابی شکل دے کر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرلیں' لیکن مظفر صاحب نے اسے کچھ زیادہ اہمیت نہ دی۔ بہرحال محکمۂ زراعت کے انٹومالوجی سیکشن میں انہوں نے چھ برس کام کیا اور پھر لاہور میں زرعی توسیع کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔ ان کا زیادہ تر تعلق شعبۂ نشر و اشاعت سے رہا۔ انہوں نے ملازمت کے دوران ایک سال تک بحیثیت ڈائریکٹر ریسرچ انفارمیشن زرعی تحقیقاتی کونسل وزارت خوراک و زراعت حکومت پاکستان فرائض سرانجام دیئے۔ دس برس بطور ڈائریکٹر ایگریکلچرل انفارمیشن حکومت پنجاب گزارے۔ وہ زراعت نامہ اور بعض دوسرے زرعی جریدوں کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ سے کچھ عرصہ قبل انہیں کسان کمیشن کا ممبر مقرر کر دیا گیا جہاں انہوں نے اڑھائی برس صرف کئے اور بڑی کارآمد رپورٹیں تیار کیں۔

ان کی ذہانت' اقبال شناسی' کام سے لگاؤ اور حُبّ الوطنی کے جذبہ کی وجہ سے بڑے بڑے اکابر اُن کی علمی قابلیت کا اعتراف کرتے رہے۔ ملک خدا بخش بُچّہ' ڈاکٹر زیڈ اے ہاشمی' ڈاکٹر محمد رفیع الدین' آغا شورش کاشمیری' پروفیسر منور مرزا' جناب اشفاق احمد خان' مجید نظامی' مجیب الرحمٰن شامی' الطاف حسن قریشی' پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ' ڈاکٹر جاوید اقبال' جناب احمد بشیر' کالم نویس عطاء الرحمٰن' ڈاکٹر کے ایم اعظم' بریگیڈیئر منظور احمد' جناب محمد اکرم' سید منور علی شاہ اور ڈاکٹر اسرار احمد ان چند شخصیات میں سے ہیں جنہیں مظفر صاحب کی تحریروں نے بہت متاثر کیا۔

ڈاکٹر ہاشمی (مرحوم) مظفر صاحب سے جو تعلق رکھتے تھے وہ بہت کم لوگوں کو معلوم

ہے۔ واقعات تو کئی ہیں جن سے ہاشمی صاحب کی مظفر صاحب سے دلی محبت کا اظہار ہوتا ہے تاہم صرف ایک واقعہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

ہاشمی صاحب اپنی تمام سرکاری حیثیتوں سے ریٹائر ہو چکے تھے اور فارغ اوقات اسلام آباد میں اپنے گھر پر ہی گزارتے تھے۔ ایک دن مظفر صاحب کو صبح صبح ہاشمی صاحب کا فون آیا کہ وہ نو بجے بذریعہ جہاز لاہور پہنچ رہے ہیں اور وہ انہیں ایئر پورٹ پر سے لے لیں۔ مظفر صاحب سمجھے کہ ہاشمی صاحب کو لاہور میں کوئی کام ہو گا اور اس سلسلہ میں انہیں شاید کار کی سہولت درکار ہو۔ چنانچہ وہ ایئر پورٹ پہنچے اور ہاشمی صاحب کے ساتھ ان کے گھر آ گئے۔ سارا دن وہاں گزار دیا۔ شام کے پانچ بجے واپس ایئر پورٹ جانے کا کہا۔ مظفر صاحب نے انہیں الوداع کیا اور وہ واپس اسلام آباد پہنچ گئے۔ سارا دن افکارِ اقبال اور اسلام کے عملی نفاذ پر گفتگو رہی۔ کھانا بھی وہاں ہی کھایا اور کسی دوسرے شخص کو ٹیلی فون تک بھی نہ کیا۔ یہ ہاشمی صاحب کی زندگی کا ایک پہلو تھا جو مظفر صاحب سے ان کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ مظفر صاحب نے زراعت پر کئی کتب بھی تصنیف کیں۔ زرعی توسیع پر بہت سے مقالے لکھے۔ ایک زمانہ تھا کہ انہیں حکومت کے وزراء کی تقریریں لکھنے کے مواقع بھی ملے جہاں انہوں نے اسلام کے نفاذ کی عملی صورت کا جائزہ پیش کیا۔ مظفر صاحب ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی فراغت سے نہ بیٹھ سکے' بلکہ انہوں نے ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کے قائم کردہ ادارہ اسلامک ایجوکیشن کانگریس کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی اور آپ تادمِ زیست اس ادارہ کے اکیڈمک اینڈ ایڈمنسٹریٹو ڈائریکٹر رہے اور آپ کے شب و روز اسی ادارہ کی بہتری کے لئے صرف ہوتے رہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سائنس کی دینیات' اقبال کے دو بنیادی تصورات' خودی اور آخرت' پاکستان تجربہ گاہِ اسلام' روحانی جمہوریت اور اساسِ فکرِ اقبال شامل ہیں۔

راقم الحروف کے ساتھ مظفر صاحب کی دوستی کی ابتداء ۱۹۵۲ء سے ہوئی اور پھر دوستی کا رشتہ گہرا ہی ہوتا چلا گیا۔

دو دل اس طرح مل گئے ناگاہ
جیسے برسوں کی ہو شناسائی

مظفر صاحب کا عالمِ شباب تھا۔ ان کی عمر ۲۳ برس تھی۔ میں ان سے عمر میں تقریباً تین چار سال بڑا تھا۔ لیکن نصف صدی کا عرصہ جس طرح گزرا' وہ بیان سے باہر ہے۔ ہمارے شب و روز اکٹھے گزرتے۔ وہ لاہور میں ہوتے تو میں کئی دنوں تک ان کے گھر قیام کرتا۔ ان کے سب بھائی ابھی تعلیم کی منازل طے کر رہے تھے۔ ان کے والد جو ایک فرشتہ سیرت انسان اور میاں شیر محمد شرقپوری کے مرید خاص تھے' مجھ سے بہت محبت کرتے' بلکہ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھتے۔ انہوں نے مظفر صاحب کی ملازمت' ان کی شادی اور دیگر خانگی امور کے سلسلہ میں مجھے اپنا مشیر بنا رکھا تھا۔ میں اور مظفر صاحب جوانی میں ہی اسلامی ذہن رکھتے تھے۔ مولانا مودودی اور اقبال سے دونوں متاثر تھے۔ ہم پہروں اکٹھے بیٹھتے۔ اسلام کے ماضی' حال اور مستقبل پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے' حتیٰ کہ بعض اوقات ہمیں دوپہر کا کھانا بھی بھول جاتا۔ اسی طرح مظفر صاحب لائل پور (فیصل آباد) تشریف لاتے تو میرے ہاں ہی قیام پذیر ہوتے۔ ایک دفعہ تو میری بہت خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے میرے ہاں مسلسل چار ماہ قیام کیا۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ میرے یارِ غار تھے۔ ان کی زندگی کا کوئی راز بھی ایسا نہ تھا جس سے وہ مجھے آگاہ نہ فرماتے اور کچھ ایسا ہی حال میرا بھی تھا۔

اقبال کے کلام کی روشنی میں اگر انہیں اقبال کا مردِ مومن' اقبال کا قلندر' اقبال کا شاہین کہہ دیا جائے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ وہ حقیقت میں اقبال کے مندرجہ ذیل شعر پر پورا اترتے تھے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

وہ کسی صاحب اقتدار سے کبھی بھی مرعوب نہ ہوئے۔ اکثر اوقات علامہ اقبال کا یہ شعر اُن کی زبان پر آتا:

سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوز ناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر

انہوں نے خالق کائنات کے سوا کبھی کسی صاحبِ اقتدار کو اپنا ربّ تسلیم نہ کیا۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

وہ قیادت کا حق صرف اور صرف کسی ایسے شخص کو دینے کے حق میں تھے جو بقولِ اقبال۔

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ!

ان کے خیال کے مطابق یہ دنیا مادیت کی چمک سے متاثر اور مرعوب ہوتی ہے۔تاہم یہ چمک بالکل عارضی چیز ہے۔شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں جگہ پانے کے لئے عشق کا سرمایہ ہی کام دیتا ہے اور باقی سب دنیاوی نعمتوں کی وقعت عشق کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔بقول علامہ اقبال۔

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے!

چوہدری مظفر صاحب عشق کی ان تمام منازل کو طے کرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے جس کی دعا علامہ نے خدا کے حضور اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں پیش کی ہے:

عطا اَسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر!

مظفر صاحب کو اسلام اور پاکستان سے جنون کی حد تک عشق تھا۔ان کی بس ایک ہی آرزو ایک ہی تمنا اور ایک ہی خواہش تھی کہ مملکت خداداد پاکستان میں وہی معاشرہ قائم ہو جائے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں تھا۔ان کے خیال میں ایسے

معاشرہ کا قیام صرف انسانوں کے ذہن کی اصلاح سے ہی ممکن ہوسکتا تھا۔ حکومتِ وقت کا کوئی اور کسی قسم کا قانون ایسی اصلاح کرنے سے قاصر تھا اور بالآخر اُسی اصلاح کے نتیجہ میں ہی روحانی جمہوریت قائم ہوسکتی تھی۔

وہ انسانیت کی نجات کے لئے روحانی اصلاح کو ضروری قرار دیتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ اسلام کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں اصلاحِ معاشرہ کے بغیر اسلام کا عملی نفاذ ناممکنات میں سے ہے۔ مظفر صاحب مجموعہ صفات تھے۔ ان کی عظمت کا ایک روشن پہلو اُن کا قرآن پاک کی ان آیات پر عمل تھا:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾ (بنی اسراء یل:۲۳'۲٤)

''تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی' والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑک کر جواب دو' بلکہ ان سے احترام سے بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت اور شفقت سے مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

مظفر صاحب نے خدا کے احکام کی پیروی میں جس طرح اپنے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری میں اپنے شب و روز گزارے اسے دیکھ کر مجھے قرونِ اُولیٰ کے مسلمان یاد آجاتے تھے۔ اور یہ ان کی اطاعت ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کے والدین ان کے لئے اپنے قلب کی گہرائیوں سے دعائیں کرتے۔ مجھ سے ان کے والدِ مرحوم نے متعدد بار مظفر صاحب کی اس اطاعت کا ذکر کیا اور جس طرح ان کے والدِ محترم اس بات کا اظہار فرماتے اسے سن کر میری آنکھوں میں آنسو آجاتے۔

مظفر صاحب نے اطاعتِ والدین کے علاوہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے

عزیز واقرباء اور دوست واحباب سے اپنے تعلقات کا سلسلہ تادمِ زیست جس طرح قائم رکھا' وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔خصوصاً ان کا جو رشتہ اور تعلّق اپنے بھائیوں' بہنوں' بھتیجوں' بھانجوں سے تھا' اور ان سب پر جس طرح ان کا دست شفقت رہا' اس کا بیان الفاظ سے باہر ہے۔اور پھر اسی حسنِ سلوک کی وجہ سے اُن کے تمام عزیز واقرباء ان پر دل و جان سے فدا تھے۔ان کے بھائیوں نے تو خصوصی طور پر انہیں عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے والد کا درجہ دے رکھا تھا۔اس طویل علالت کے دوران ان کے تمام عزیز واقرباء اور خصوصاً بھائیوں نے ان کا جس طرح خیال رکھا وہ اِس دَور میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

مظفر صاحب کی ایک اور بہت بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اپنے گھر کے ساتھ اپنے پلاٹ پر ایک مسجد کی تعمیر کر جائیں۔اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندے کی اس خواہش کو بھی ان کی زندگی میں ہی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔وہ مجھ سے جب اس کا ذکر کرتے تو انہیں ایک روحانی مسرت حاصل ہوتی۔

مظفر صاحب عمر بھر صحت کے لحاظ سے کوئی زیادہ خوش نصیب نہ رہے۔ عالمِ شباب میں ہی وہ دمہ کے مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کئی اور امراض کا بھی شکار ہوتے چلے گئے تاہم انہوں نے بہت بہادری سے ان سب بیماریوں کا مقابلہ کیا۔پچھلے ایک برس سے ان کی بیماری طول پکڑ گئی۔ڈاکٹروں نے اس بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا۔ ان کا آپریشن بھی ہوا جس سے انہیں صرف عارضی افاقہ ہوا۔ وہ کمزور ہوتے چلے گئے لیکن انہوں نے عالمِ پیری میں بھی مردانہ وار اس بیماری کا مقابلہ کیا۔ان کی قوتِ برداشت اور خودداری کی وجہ سے شاید ہی ان کی زبان پر کبھی کوئی ایسا کلمہ آیا ہو جس سے کوئی عزیز یا دوست یہ سمجھنے لگے کہ وہ اپنی تکلیف کا اظہار کر رہے ہیں۔ان کی حالت کچھ ایسی تھی ؎

نہ ذکرِ غم زیرِ لب کریں گے نہ شکوہٴ برملا کریں گے
جو ہم پہ گزرے گی دل ہی دل میں کہا کریں گے سنا کریں گے

انہوں نے اس بیماری کی تکالیف کو صبر وشکر کے ساتھ برداشت کیا۔ وہ کسی کا مالی تعاون قبول کرنے پر بھی تیار نہ تھے۔ ان حالات میں بھی ان کے سامنے اقبال کا یہ شعر ہی رہا۔

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو رُوسیاہی!

مظفر صاحب کی بیماری کے دوران مَیں کئی مرتبہ ان کی بیمار پرسی کے لئے جاتا رہا۔ مجھ سے ان کی حالت نہ دیکھی جاتی تھی۔ میں کئی گھنٹے ان کے ساتھ گزارتا جہاں صرف وہ اور مَیں ہی ہوتے۔ وہ نحیف اور کمزور ہو چکے تھے' تاہم بہت ہی ہلکی آواز میں میرے ساتھ اپنے دل کی باتیں کرتے۔ میں واپس فیصل آباد آ جاتا' پھر ٹیلی فون پر رابطہ رکھتا۔

مظفر صاحب کی وفات سے تقریباً آٹھ نو دن پہلے مَیں ان کے ہاں ان کی بیمار پُرسی کے لئے حاضر ہوا تو کافی کمزور ہو چکے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ تاہم مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ میں ان کے پاس تقریباً تین چار گھنٹے بیٹھا رہا۔ وہ ذہنی' شعوری اور قلبی طور پر مکمل بیدار تھے۔ میں نے باتوں باتوں میں ڈاکٹر جاوید اقبال کی خود نوشت سوانح حیات ''اپنا گریباں چاک'' کا ذکر کر دیا۔ فرمانے لگے: جاوید کی زیست کے ان تمام پہلوؤں سے' جن سے انہوں نے اپنی کتاب میں پردہ اٹھایا ہے' صرفِ نظر کرتے ہوئے مجھے ان کی کتاب کا باب ۱۳ بعنوان ''دوسرا خط'' اچھا لگتا ہے۔ فرمانے لگے: اس کتاب کے مطالعہ سے دانشوروں کی اکثریت اگرچہ کسی حد تک حیران ہوتی ہو گی' تاہم ان کا ''دوسرا خط'' قابل غور ہے۔ میری صحت اجازت نہیں دیتی ورنہ میں اپنی سمجھ کے مطابق اس خط کا جواب دیتا۔ تاہم میری تمنا ہے کہ کوئی دانشور' کوئی عالمِ دین' کوئی مفکرِ اسلام ان نکات کا جواب لکھے جو ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے اس خط میں اٹھائے تھے۔ ذرا سوچئے کہ مظفر صاحب کا ذہن اپنی زیست کے اختتام سے صرف دس دن پہلے کس نہج پر سوچ رہا تھا! ۲۱ جولائی کو صبح سات بجے مَیں نے انہیں ٹیلی فون کیا۔ ا،ن کے خادم نے اٹھایا' پھر اُن کے سپرد کر دیا۔ مجھے ان کی آواز تو آ رہی تھی لیکن میں

کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ پھر اُن کی بیٹی نے ٹیلی فون لے لیا اور مجھے بتایا کہ ابو کمزور ہو چکے ہیں۔ مَیں نے دوسرے دن آنے کا پیغام دیا۔ ۲۲ جولائی کو ساڑھے سات بجے صبح مجھے ان کے بھائی کی جانب سے ٹیلی فون پر اُن کی وفات کی خبر دی گئی۔ میں لاہور پہنچا' اپنے دوست' بھائی اور یارِ غار کے جنازہ میں شامل ہوا۔ دعائے جنازہ ان کے پرانے دوست ڈاکٹر اسرار احمد کی امامت میں ادا کی گئی۔ میرے پاس ایک دیدۂ پُرنم کے سوا رکھا ہی کیا تھا! پھر قبرستان میں انہیں سپردِ خاک کیا۔ اجتماعی دعا کرائی اور واپس فیصل آباد آ گیا۔ ۲۴ جولائی کو قرآن خوانی تھی' شریک ہوا۔ ان کے دوست و احباب بھی موجود تھے۔ دعا مانگی اور فیصل آباد واپس آ گیا۔

مظفر صاحب نے نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرونِ ملک بھی نام پیدا کیا' لیکن جو عزت و وقار انہیں حاصل ہوا وہ بھی بقولِ اقبالؔ ؎

اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے' تونگری سے نہیں!

اب جو وہ اپنے اللہ کے حضور حاضر ہیں تو ان کی زندگی کا نقشہ اقبالؔ کے اشعار کی روشنی میں بڑے اختصار کے ساتھ کچھ ایسے نظر آتا ہے ؎

خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی' اس کا دلِ بے نیاز
اس کی اُمیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دلفریب' اس کی نگہ دل نواز!

مظفر صاحب اگرچہ رخصت ہو گئے' لیکن آج بھی ان کی قبر سے یہ صدا آ رہی ہے ؎

جان کر مِن جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مُدّتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے!

مظفر صاحب کی دو بیٹیاں ہیں اور دونوں شادی شدہ۔ وہ اولادِ نرینہ کی نعمت سے محروم رہے' لیکن ہر حال میں صابر و شاکر۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے!

☆☆☆☆